© rasailojaraid.com

# لاہور میں پنجابی کانفرنس

جناب غلام سرور قریشی (ریٹائرڈ ایس ایس ٹی) محلّہ عباس پورہ جہلم

پنجابی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں مشرقی پنجاب (بھارت) سے سکھ اہلِ قلم کی شمولیت بنیادی طور پر ایک بے میل کاروائی ہے۔ سکھ قوم پنجاب میں آباد تھی اور تقسیمِ ملک کے وقت اس کے قائدین نے جو فیصلے کئے تھے وہ ہر لحاظ سے اپنی تہذیب، معاشرت اور دھرم یعنی اپنی مکمل ثقافت کو سامنے رکھ کر کئے تھے۔ پنجاب میں سکھ ہی آباد نہ تھے بلکہ مسلمان اور ہندو بھی تھے۔ مسلمانوں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اپنے دین کو سامنے رکھ کر کیا تھا۔ اسی طرح ہندو اور سکھوں نے بھی اپنے اپنے دھرم اور ثقافت کی روشنی میں اپنے اپنے مستقبل کے فیصلے کئے تھے۔

تقسیمِ ملک سے پہلے یہ تینوں اقوام اس طرح آباد تھیں کہ ہندوں اور مسلمانوں کی دیواریں بھی مشترک تھیں۔ ان کے کاروبار بھی مشترک تھے۔ وہ سرکاری دفتروں میں یوں ملازمت کرتے تھے کہ کلرک سکھ اور افسر مسلمان یا افسر ہندو اور مسلمان کلرک تھے۔ سکولوں میں تینوں اقوام کے بچے ہم درس ہوتے تھے۔ لیکن تہذیبی اختلاف کا یہ عالم تھا کہ تینوں اقوام کے افراد ہزاروں کے مجمع میں الگ الگ نظر آتے تھے۔ سکھوں کی پگڑی مسلمانوں کی پگڑی سے الگ ہوتی تھی اور اب بھی ہے۔ ہندو دھوتی تو باندھتے مگر مسلمانوں کا تہبند ان سے ممتاز ہوتا تھا۔ گویا ایک ایک گلی اور ایک ایک محلے میں تین تہذیبوں کے دریا ساتھ ساتھ بہتے تھے۔ مگر آپس میں کبھی ملتے نہ تھے۔

یہ تینوں اقوام پنجاب جالندھر تک کے علاقوں میں پنجابی ہی بولتے تھے۔ لیکن پنجاب میں رہتے ہوئے بھی مسلمانوں کا پنجابی لہجہ سکھوں کی پنجابی سے بالکل جداگانہ تھا۔ ضلع راولپنڈی کے مسلمان ''میں نے کہا'' کو پنجابی میں ''مے'' کہتے اور سکھ یا ہندو ''مکھے'' بولتے تھے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ سکھوں کا مخرج زبان اتنا الگ ہوتا تھا کہ مسلمان اس طرح بول ہی نہیں سکتے تھے۔ دراصل انکی پنجابی گورمکھی کے زیر اثر تھی جس کی لپی یعنی حروفِ تہجی پنجابی سے بالکل جداگانہ تھی۔ ان کی لپی دیوناگری خط میں بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ پنجابی دائیں طرف سے شروع ہوتی ہے اور اس کے حروف تہجی اردو والے نہیں۔ سکھوں کی مقدس کتاب گورو گرنتھ صاحب گورمکھی زبان میں دیوناگری خط میں بائیں طرف سے لکھا گیا ہے۔ گورونانک جی سکھ پنت اور گورمکھی کے بانی تھے۔ ان کی بانیاں (فرمودات) بلاشبہ پنجابی الفاظ پر بھی مشتمل ہیں۔ مگر ذخیرۂ الفاظ زیادہ تر سنسکرت اور ہندوستان کی دیگر پراکرتوں سے لیا گیا ہے۔ بے شک بابا گورونانک صاحب کے آخر دم تک گورمکھی صرف گورو گرنتھ صاحب تک ہی محدود تھی مگر گورو گوبند جی اور گورو تیغ بہادر جی نے اسے ترقی دے کر باقاعدہ زبان بنایا۔ اب وہ کوئی بولی نہ رہی تھی بلکہ ایک تصنیف و



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تالیف کی زبان بن گئی تھی۔ اس لئے گورمکھی کو پنجابی لکھنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ ہماری اردو کے بارے میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کا ذخیرۂ الفاظ نہ صرف پنجاب بلکہ پورے برصغیر اور فارس و عرب کی زبانوں سے بنا ہے۔ پنجابی، اردو اور فارسی گرامر کا بنیادی ڈھانچا ایک ہی ہے۔ اسی طرح گورمکھی بھی پنجاب میں پرورش پانے والی ایک باقاعدہ زبان ہے۔ جو پنجابی ہرگز نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ پنجابی پنجاب کے مسلمانوں کی بولی ہے جسے وارث شاہ، محمد بوٹا، میاں محمد شاہ، مولوی عبدالستار اور مولوی دلپذیر جیسے مسلم شعراء نے اپنی منظوم داستان ہائے عشق میں برتا ہے۔

بابا گورانانک صاحب جی اور بھگت کبیر اور مادھو لعل حسین نے محبت کے جو نغمے گائے ہیں وہ دراصل اس غرض سے تھے کہ ہندوستان میں بسنے والی تمام اقوام صلح اور آشتی سے رہیں اور اختلافِ مذہب و ثقافت کو وجۂ نزاع بنا کر باہم سر پھٹول نہ کریں۔ یہ ایک باقاعدہ تحریک تھی جو علامہ اقبال کے ابتدائی دور تک برقرار رہی۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

مگر علامہ صاحب کا آخری تجربہ یہ ہے

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہمارے قائداعظم نے پاکستان کا مطالبہ صرف اختلافِ مذہب کی دلیل پر نہیں کیا تھا بلکہ تہذیب و ثقافت کے ان تمام دوائر کا اختلاف بتا کر یہ مطالبہ کیا تھا۔

جو لوگ اب سکھوں سے تہذیبی اور ثقافتی رشتے جوڑتے ہیں انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ یہ وہی سکھ ہیں جن کے کھانے کو اگر مسلمان کا ہاتھ لگ جائے تو بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کا بوکا (کنویں سے پانی نکالنے والا ڈول) چمڑے کا ہوتا ہے۔ ہندو اور سکھ یہ بوکا کنوئیں میں نہ ڈالنے دیتے تھے۔ کہ چمڑے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ پھر شاید ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ کہ ہر کنوئیں کے آرپار ایک شہتیر ہوتا تھا جو کنویں کو ہندو مسلم اور سکھ مسلم کے درمیان خطِ امتیاز ہوتا تھا۔ مردہ کی آخری رسومات ہی کو دیکھ لیں کہ مسلمان مردہ دفن کرتے ہیں اور وہ جلاتے ہیں۔ ہماری عبادت میں کسی گانے بجانے کا کوئی دخل نہیں بلکہ یہ حرام ہے جبکہ ان کی عبادت گانے بجانے پر عبارت ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ ثقافت کسے کہتے ہیں؟ ثقافت کی تعریف جو جامع اور مانع ہے اتنی ہی ہے کہ مذہب سمیت کسی قوم کا رہن سہن۔ سکھ اور مسلم رہن سہن کو ہی اگر لیا جائے اور مذہب کی بحث نہ کی جائے تو دونوں معاشرتوں میں بعد المشرقین ہے۔ ہاں اگر ثقافت سے مراد فلمیں اور ڈرامے ہیں تو بلاشبہ دونوں کی تہذیب ایک ہی ہے اور اگر فلم یا ڈرامے کو ہی ثقافتی ہم آہنگی کا معیار مان لیا جائے تو پھر انگریزی تہذیب بھی ہماری اپنی ہی ہے۔

ہمارے ملک میں کوٹ پتلون ٹائی کون نہیں پہنتا ...... ڈاڑھی کون نہیں منڈاتا ...... کھڑے ہو کر کون پیشاب نہیں کرتا ...... لیکن اسے کوئی آدمی پاکستانی یا اسلامی تہذیب نہیں کہتا۔ انگریزی طرزِ زندگی ہماری معاشرت میں رچ بس گیا ہے لیکن اگر صوبہ سرحد کی ثقافت کو تصویر میں ظاہر کرنا ہو تو لنگی اور گھیرے دار شلوار والا پٹھان بنایا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ اگر صوبہ پنجاب کی ثقافت کا تصویری خاکہ پیش کرنا ہو تو تہبند اور شملے والا زمیندار دکھایا جاتا ہے...... پاکستان کے کسی بھی علاقے کی تہذیبی علامت کے طور پر کوٹ پتلون اور ٹائی والا انگریز بنا کر پیش نہیں کیا جائے گا۔

لاہور کی پنجابی کانفرنس میں ہماری طرف کے شرکاء نے خاص طور پر سکھوں سے بڑھ کر واہگہ کو ظلم و ناانصافی کا نشان بتایا ہے۔ اور زور اس امر پر دیا ہے کہ واہگہ کے آرپار بسنے والے پنجابی سکھوں اور پنجابی مسلمان کے درمیان محبت کے دریا بہہ رہے ہیں...... جو باہم مل جانے کو مچل رہے ہیں...... مگر درمیان میں واہگہ کی سرحد ہے...... ایسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس ''دریائے محبت'' میں ہماری ستر ہزار ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا خون بھی تو ہے...... یہ وہی سکھ ہیں جنھوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا تھا...... عذرِ لنگ کے طور پر کہا یہ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت کی سکھ قیادت کا کیا دھرا تھا...... مگر امر واقعہ یہ ہے کہ پوری سکھ قوم اپنی قیادت کے فیصلوں پر متفق تھی اور تقسیمِ ملک کے وقت شاید ہی کسی سکھ سورما کی کرپان خونِ مسلم سے رنگین نہ ہوئی ہو۔

سکھ ثقافت ہر لحاظ سے پنجابی ثقافت سے جدا ہے۔ اگر پنجاب میں بود و باش رکھنے کے سبب سکھ ثقافت پنجابی ثقافت کہلا سکتی ہے۔ تو پھر پنجاب میں ہندو بھی رہتے تھے اور رہتے ہیں۔ اس دلیل پر صرف سکھ ہی نہیں بلکہ ہندو بھی ہمارے تہذیبی شریک ہیں۔

پنجابی کے علمبرداروں کو یہ بڑی بھول لگی ہے کہ پنجاب میں رہنے کی وجہ سے سکھوں کی ثقافت پنجابی تھی یا اب ہے۔ سکھوں کی تہذیب اپنی ایک الگ شناخت رکھتی ہے اور اسی لئے سکھ اپنے تئیں ''خالصہ'' کہلاتے ہیں وہ تہذیبی اعتبار سے، خالصہ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بود و باش، ہندوستان کی دیگر تہذیبوں کے اثرات سے کلیتہً محفوظ اور اس لئے خالص ہے اور رنجیت سنگھ کے عہد میں سرکاری جاگیریں صرف سکھوں کے لئے مختص تھیں اس لئے ایسی تمام اراضی خالصہ کہلاتی تھی۔

تہذیب و ثقافت کے دائرہ میں انسانی زندگی کی تمام جہات آتی ہیں۔ مذہب انسانی زندگی کی اولین اور سب سے وسیع جہت ہے جو دیگر ہر جہت کو اپنے تابع رکھتی ہے۔ مگر اسلام اپنی ایک ممتاز ثقافت رکھتا ہے جس کے خمیر میں توحید شامل ہے۔ سکھوں کو ہندوؤں کے مقابلے میں توحید پرست کہا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک ایسی توحید جس کے ساتھ پیغمبر آخر الزمان، رحمتِ عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار نہ ہو، اسی طرح مردود ہے جس طرح شرک ہے۔ لہٰذا سکھوں کی توحید پرستی، کسی بھی طور پر انھیں مسلمانوں کے قریب نہیں کرتی بلکہ وہ ہندوؤں کی مشرکانہ تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب سے زیادہ دور ہیں...... یہ ایک الگ موضوع ہے مگر یہاں اس کا حوالہ ضروری ہے کہ بابا گورو نانک صاحب کی دعوت پر اور پھر بعد میں گورو گوبند سنگھ کی عسکری جتھابندی کے تحت جو لوگ سکھ پنتھ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے وہ سارے کے سارے مسلمان تھے۔ محکمہ مال کے قدیم



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریکارڈ سے شہادت لی جاسکتی ہے کہ مسلم قبائل کے ادوار میں کوئی ایک شخص سکھ ہوا اور دوسرا بھائی مسلمان رہا۔ یہی وجہ ہے کہ سکھوں کی گوتیں، مسلمانوں سے ملتی ہیں ہندؤوں سے نہیں۔ البتہ ہندو راجپوت اور دیگر ہندو ذاتیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں اور آج تک ان کی وہی گوتیں مشرف بہ اسلام ہو کر ان کے ساتھ چلی آرہی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ "خالصہ مہاراج" اسلام سے مرتد ہو کر سکھ کہلانے لگے۔ اسی لئے سکھ گوشت خور ہیں۔ جبکہ ہندو گوشت سے آج بھی پرہیز کرتے ہیں۔ گائے کی حرمت جو سکھوں میں رائج ہوئی تو وہ گاندھی جی کی چالاکی کا اثر ہے اور جھٹکا (سے ذبیحہ) ان کی اپنی ایجاد ہے۔ مردوں کا جلانا، انھوں نے ہندوؤں سے لیا ہے اور چونکہ ارتداد سے پہلے توحید و رسالت ان میں رائج تھی اس لئے وہ بوجوہ بت پرستی کی طرف مائل نہ ہوئے، صرف انکارِ رسالت محمدی ﷺ کر کے دائرۂ اسلام سے نکل گئے۔ لہذا ان کی توحید عند اللہ کسی قدر کے لائق نہیں ہے گورونانک جی، جٹاداری فقیر منش آدمی تھے۔ ان کا عہد طفولیت لودھیوں کے درباروں میں گزرا، وہاں سے نکلے تو زیادہ تر دریائے راوی اور بیاس کے ساحلی علاقوں میں گھومتے پھرتے رہے، اور زمینداروں کو اپنی بانیاں سناتے رہے اور زیادہ تر کاشتکار ہی ان کے پیروکار ہوئے۔ اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں سے ممتاز کرنے کے لئے پانچ کے مقرر کئے۔ یعنی کیس، کنگھا، کرپان، کچھا اور کڑا...... میں پنجابی کانفرنس کے منعقد کرنے والوں سے یہ سوال کرنا چاہوں گا کہ بھلا یہ کے مسلم تہذیب کا حصہ ہیں؟ کھانے پینے کے برتن تہذیب کا اہم جزو ہوتے ہیں۔ مسلمان گھرانے میں ۱۹۴۷ء سے پہلے تو بے شمار لیکن آج کل بھی کافی برتن مٹی کے استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ سکھ مٹی کے برتن کا استعمال ہرگز نہیں کرتے...... برتن تو صرف اور صرف تہذیب کا حصہ ہیں مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا اختلافِ مذہب کی وجہ سے سکھ تہذیب اور مسلم تہذیب میں قطبین کی دوری ہے۔

راج ببر جی ہمارے فلم سازوں سے مل کر فلمیں بنانا چاہتے ہیں اور صلے میں محبت مانگتے ہیں اور ادھر ہماری بدقسمتی کے ستارے بھی یہی کچھ کرنے پر تیار ہیں۔ مجھے یہ ضرور اعتراض ہے کہ وہ ثقافت جو فلم اسٹوڈیوز میں پروان چڑھتی ہے اسے واہگہ کے آرپار ایک جیسی پذیرائی حاصل ہے اور اس کے لئے ادھر یا ادھر کا کوئی فرق نہیں ہے...... لیکن مسلم تہذیب کے وہ محافظ جو اس عظیم ثقافتی ورثہ کے حقیقی وارث ہیں جس کے سوتے حجازِ مقدس سے پھوٹے اور دمشق، بغداد، غرناطہ، قرطبہ ہوتے ہوئے برصغیر تک آئے، ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کہ فلم سازوں کے طائفے ثقافت کا رخ متعین کریں۔

رنگ و روشنی کے یہ پروانے اپنی ایک خاص دنیا کے مالک ہیں اور یہ وہ دنیا ہے جہاں "سید" فلمیں بناتے اور "سیدانیاں" گانے گاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر ثقافت کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ زبان کے بغیر ثقافت کا کوئی مفہوم متعین نہیں ہو سکتا۔ یورپی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیب کی زبان انگریزی ہے۔ روسی تہذیب کی زبان روسی ہے۔ عربی تہذیب کی زبان عربی ہے۔ ہندو تہذیب کی زبان ہندی اور سنسکرت ہے۔ اسی طرح سکھ تہذیب کی زبان، پنجابی تہذیب سے الگ یعنی گورمکھی ہے۔ گورمکھی پنجابی نہیں ہے۔ برصغیر میں پرورش پانے والی اسلامی تہذیبیں بھی سندھی، بلوچی، پشتو اور پنجابی کے ذریعے اپنا اظہار کرتی ہیں۔ یہاں یہ امر لائق توجہ ہے کہ یہ چاروں زبانیں عربی یا فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا ماخذ ایک ہے یعنی اسلامی تہذیب، سو صوبہ سرحد، صوبہ بلوچستان، کشمیر، پنجاب اور سندھ کی اسلامی تہذیب اختلافِ زبان کے باوجود بنیادی طور پر اسلامی تہذیب ہے۔ اردو جو ان تمام زبانوں سے پیدا ہوئی پورے برصغیر کے مسلمانوں کی اسلامی تہذیب کی مشترک زبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی نے اردو کو ہندوستانی کہا اور بنارس میں اردو ہندی کا قضیہ اسی فکر کی پیداوار تھا۔ گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے کہ اردو مسلمانانِ ہند کی اسلامی تہذیب کی مشترکہ زبان ہے۔ آگے چل کر مطالبہ پاکستان میں اردو کو ایسی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا جو مسلمانانِ ہند کی الگ ثقافت اور قومیت کا ثبوت تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں ثابت کیا ہے کہ اردو نے پنجابی کے بطن سے جنم لیا اور دلی کے لال قلعہ کے باسیوں یعنی مغل بادشاہوں نے اسے قلعہ معلّیٰ میں روزمرہ کی زبان کے طور پر استعمال کیا۔ اسی لئے ابتداء میں یہ اردوئے معلّیٰ کہلاتی تھی۔ میں نے یہ پس منظر اس لئے بیان کیا ہے کہ ملک معراج خالد جیسے بزرگ سیاستدان حضرات کو معلوم ہو سکے کہ اردو اور پنجابی میں چولی دامن کا ساتھ ہے ... جبکہ گورمکھی کا پنجابی سے ہرگز کوئی تعلق نہیں بنتا۔ سکھ تہذیب ہر لحاظ سے پنجابی تہذیب سے الگ ہے۔ ملک خالد صاحب جیسے بزرگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ آج تیرہ کروڑ مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں ... بال ٹھاکرے کو ان سے یہی شکایت ہے کہ وہ ہندوستان میں رہ کر اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی کیوں گزارتے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اپنے تہذیبی رشتے مکہ مدینہ سے توڑ کر بھارتی تہذیب میں مدغم ہو جائیں ..... مگر مسلمان یہ سودا کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ کیا یہ دلیل ... اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ کسی قوم کا کسی خاص علاقے میں رہنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ اس علاقے کی تہذیب کا حصہ بھی ہے۔ اگر سکھ پنجاب میں رہتے ہیں یا رہتے تھے تو وہ پنجاب کی اسلامی تہذیب کا حصہ نہ تھے اور نہ ہی ان کی زبان پنجابی تھی۔ سکھ پنتھ وجود میں آیا تو اس نے پنجابی سے الگ اپنی زبان بھی ایجاد کی۔ سکھ پنتھ کے بانیوں کو معلوم تھا کہ کوئی بھی مذہب جو آئندہ چل کر ایک تہذیب کا خالق ہوگا، اپنی الگ زبان کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ تہذیبیں اور ثقافتیں بساطِ عالم پر جب پھیلتی ہیں اور دوسری اقوام سے ان کا اختلاط ہوتا ہے تو بغیر کسی شعوری کوشش کے یہ ایک دوسری تہذیب کو جزوی طور پر متاثر کرتی ہیں ..... مگر اپنے بنیادی خصائص کو برقرار رکھتی ہیں۔ مثلاً جب مسلمان فاتح کے طور پر برصغیر میں قیام پذیر ہوئے تو یہاں کی مقامی تہذیبیں اسلام سے متاثر ہوئیں مگر اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ خود اسلامی تہذیب بھی ان سے متاثر ہوئی۔ مثلاً مسلمانوں نے شادی بیاہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طریقے ہندی تہذیب سے لے لئے۔ شادی پر گانا بجانا وغیرہ اسکی مثال ہے۔ اسی طرح مردے پر رونا پیٹنا اس کا ثبوت ہے۔ ہندوؤں میں ستی کا رواج تھا۔ اسلام سے اثر پذیری کے بعد ہندی تہذیب رفتہ رفتہ اس رسم سے بے زار ہوگئی اور آج ان میں نکاحِ بیوگان کا رواج موجود ہے۔ لیکن اس جزوی اثر پذیری کے باوجود مقامی تہذیبیں اپنا ممتاز وجود رکھنے میں کامیاب رہیں۔ اسی طرح اگر سکھوں کے ساتھ بود و باش کی وجہ سے پنجابی تہذیب میں کچھ آثار سکھ تہذیب کے موجود ہیں تو اس سے یہ نہ اخذ کر لینا چاہیے کہ پنجاب کی مسلم ثقافت، پنجاب کی سکھ ثقافت یا ہندو ثقافت سے کوئی اصولی رشتہ رکھتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ سکھ ثقافت بھارت میں رہتے ہوئے بھی بھارت کی ہندو ثقافت سے بھی کوئی میل نہیں رکھتی ہے۔ حالانکہ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی رشتہ داری جائز تھی۔ گاندھی جی کی سکیم یہ تھی کہ سکھ ہندو مناکحت اگر ہوتی رہے گی تو ایک وقت آئے گا کہ ہندو ماؤں کے بطن سے پیدا ہونے والی اولادیں، سکھ باپوں کا مذہب قبول کرنے کی بجائے ہندو مت قبول کرلیں گی اور صدی دو صدی کے اندر ہندو مت، سکھ پنتھ کو بھی اسی طرح جذب کر جائے گا جس طرح وہ اس سے پہلے بدھ مت اور جین مت کو کر چکا تھا۔ اب بعض حوالوں سے پتہ چل رہا ہے کہ سکھ پنتھ کے اکابر سکھ ہندو مناکحت کی مخالفت کر رہے ہیں، کیونکہ اب ان کی آنکھیں کھل رہی ہیں کہ یہ سکیم جو بظاہر ہندو سکھ اتحاد کے لیے تھی حقیقت میں سکھوں کا وجود مٹانے کی سازش تھی۔ فلمی ستاروں کی باتیں چھوڑیئے..... ان کی ثقافت کی دنیا اپنی ہوتی ہے۔ ثقافتی طائفوں کے تبادلے، قوموں کی تہذیبوں پر اثر انداز نہیں ہوا کرتے۔ اہلِ قلم اگر ہماری معروضات پر غور کریں گے اور خود ان خطوط پر سوچیں گے اور برصغیر کی ثقافتی آویزش کا مطالعہ کریں گے تو یہ بات بلا توقف ثابت ہو جائے گی کہ سکھ ثقافت پنجابی ہونے کے باوجود پنجاب کی اسلامی ثقافت سے اصولی، بنیادی اور اساسی طور پر بالکل جداگانہ شئے ہے۔

## سگریٹ نوشی مکروہ ہے، حکومت پابندی لگائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) اسلامی نظریاتی کونسل نے سگریٹ نوشی کو مکروہ اور غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے ملک بھر میں اس پر مکمل پابندی عائد کرنے کیلئے 4 سفارشات حکومت کو پیش کر دی ہیں۔ سفارشات میں کہا گیا ہے کہ سگریٹ نوشی مکروہ تحریمی ہے، جو تقریباً حرام کے برابر ہے، لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ الیکٹرانک میڈیا پر سگریٹ کے اشتہارات والی کمپنیوں کو اسپورٹس اور دیگر پروگراموں کو اسپانسر کرنے کی اجازت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ کونسل نے اپنی سفارشات میں کہا ہے کہ پاکستانی عوام اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ ایسی چیز کی تشہیر کی جائے جو کینسر، دل کے دورے اور دیگر مہلک بیماریوں کا سبب بنتی ہوں۔ کونسل نے مزید کہا کہ عوامی (پبلک) مقامات پر سگریٹ نوشی کو روکنے کے قانون کو مزید مؤثر بنایا جائے۔ (نوائے وقت ۔ راولپنڈی)



© rasailojaraid.com